

سالانہ قیمت تین روپیہ آٹھ آنہ (للعہ)

رجسٹرڈ نمبر ایل ۹۰

نور افشاں

پادری غلام مسیح صاحب
میکلوڈ روڈ - لاہور } اسسٹنٹ ایڈیٹر

پادری ڈبلیو - جے - کلارک صاحب
ایم - اے - ایبرس روڈ - لاہور } مینجر

جملہ خطوکتابت و ترسیل زر بنام مینجر صاحب نور افشاں ہونا چاہئے تمام مضامین و اشتہارات وغیرہ برای اندراج کاغذ کے ایک طرف تحریر کر کے دفتر نور افشاں میکلوڈ روڈ لاہور کے نام پر ارسال فرمایا کریں ✽

حقیقی نور وہ تھا جو دنیا میں آکے ہر ایک آدمی کو روشن کرتا ہے

جلد ۵۵	ہفتہ وار بروز جمعہ لاہور سے شائع ہوتا ہے - ۱۱ مارچ سنہ ۱۹۲۶ء	نمبر ۱۰

بہادر فیلسوف

حق مٹانے سے نہیں مٹتا کہ وہ باطل نہیں
بس یہی وہ فرق ہے جو حق اور باطل میں ہے ✽

سنہ ۱۶۱ء میں جب قیصر مرقس اُورلیئس تخت روم پر جلوہ افروز ہوا تو اُس نے پختہ ارادہ کیا کہ مسیحی دین کو حرف غلط کی طرح صفحۂ ہستی پر سے مٹا ڈالے۔ چنانچہ اُس نے اس ناجائز خواہش کو پورا کرنے کے لئے مختلف وسائل استعمال کئے اور ایک فرمان جاری کر کے حکم دیا کہ "جو شخص مسیحی دین کا انکار کرے مال و جان کی امان پائے باقی سب کے سب قتل کئے جائیں اور اُن کی تمام جائداد ضبط کی جائے"۔ اس فرمان کے نافذ ہونے سے بُت پرستوں کو جنہوں نے کہ کئی بار مسیحیوں کے خون ناحق سے ہاتھ رنگے تھے زیادہ جرأت و دلیری حاصل ہوئی۔ اور اُن کو مختلف قسم کی ایذاؤں سے دُکھ دینے لگے چنانچہ جہاں جہاں اُن کو مسیحی ملے کسی کو تو آگ اور کسی کو شکنجے میں کھینچا کسی کو جلایا کسی کو تلوار کی دھار سے قتل کیا کسی کو جلتے ہوئے لوہے کی کرسی پر بٹھایا۔ اور کسی ایک کو کیا مرد کیا عورت کھمبے سے باندھ کر جنگلی جانوروں سے پھڑوایا۔ لیکن وہ برابر اپنے ایمان میں قائم رہے۔ انہی دنوں میں ایک مشہور فیلسوف بھی جس کا نام جسٹن تھا معہ اپنے چھ شاگردوں کے گرفتار ہوا۔ یہ فیلسوف سامریہ کے شہر سکم کا باشندہ تھا اسکا باپ یونانی اور پکا بُت پرست تھا اور اُس نے اس کو بھی اپنے ہی مذہب کے طور پر جھوٹے معبودوں کی رسمی عبادت میں طاق بنایا تھا۔ اس کے سوا اُس نے اسکو ہر طرح کے دنیاوی علوم میں بھی یکتائے دہر بنایا تھا لیکن جوں جوں جسٹن سن تمیز کو پہنچتا گیا سچے خدا کی پہچان کا زیادہ شائق ہوتا گیا اور اگرچہ ہر قسم کے فلسفے چھان مارے مگر تسلی نہ پائی کچھ عرصہ تک سٹوئک اور پھر ارسطو کا مقلد رہا پھر فیثاغورث کی پیروی کرنا چاہی مگر چونکہ علم اقلیدس میں اور موسیقی سے ناآشنا تھا اُن کے مدرسہ میں داخل نہ ہو سکا۔ پھر افلاطون کا پیرو بن بیٹھا

مگر قلبی اطمینان حاصل نہ ہوا۔ اسی ناامیدی اور مایوسی کے دلدل میں پھنس کر یہ بیچارہ اس جہت سے کہ کسی طرح سچے خدا کی شناخت حاصل ہو اپنا وقت تخلیہ میں بسر کرنے لگا۔ ایک دن جب وہ عشق کا مارا ہوا اپنے معشوق کی تلاش میں اکیلا سمندر کے کنارے پھر رہا تھا تو ایک بزرگ ضعیف العمر آدمی سے اُسکی ملاقات ہوئی۔ اثنائے گفتگو میں اُس نے جسٹن کے متفکر اور سراسیمہ ہونے کا سبب پوچھا۔ اس نے اُس بزرگ کو اپنی ساری داستان کہہ سنائی اس پر اس پیرمرد نے اُسے مسیح کی بشارت دی اور کہا کہ انسان اپنی تلاش سے حق کو حاصل نہیں کر سکتا۔ خدا کی پہچان خدا ہی سے مل سکتی ہے۔ ضرور ہے کہ اسی کو پکارو۔ اور وہ ضرور تمہاری ہدایت کریگا۔ یہ کہہ کر وہ بزرگ اپنی راہ چلا گیا اور جسٹن نے اُسے پھر نہ دیکھا مگر اُس کی باتیں اُس کے دل میں مثل تیر کارگر ہوئیں۔ اور وہ مسیحی ہوا لیکن بپتسمہ پانے کے بعد بھی اپنا فلاسفرانہ لباس نہ اُتارا بلکہ یہ کہکر منادی کرتا رہا کہ حقیقی فلسفہ یہی ہے۔

جسٹن نے بُت پرست ہونے کے ایام میں قیصر انٹونائیس پائس کو مسیحیوں کی ایذا رسانی اور عقوبت کی موقوفی کے بارہ میں ایک کتاب لکھ کر نذر کی تھی مسیحی ہو کے اُس نے ایک اور کتاب جو گویا پہلی کتاب کا ضمیمہ تھا لکھ کر قیصر مرقس کی نذر کی اور اس دوسری کتاب کے لکھنے کی خاص وجہ یہ ہوئی کہ ایک دن ظالمی نامی ایک مسیحی پر موت کا فتویٰ دیا گیا اس پر ایک شخص نے جس کا نام لوسیس تھا اور جو وہاں حاضر تھا مجسٹریٹ سے کہا۔ جناب! کیوں آپ ایک ایسے شخص پر جو نہ خونی نہ چور اور نہ کسی اور طرح کی علت میں ماخوذ ہے سوا اس کے کہ اس نے اپنے کو مسیحی قرار دیا ہے قتل کا فتویٰ دیتے ہیں؟ جب مجسٹریٹ نے اُس کا یہ کلام سنا تب اُس سے پوچھا کہ کیا تو بھی مسیحی ہے؟ اس نے کہا۔ ہاں اس پر اُس نے لوسیس کے بھی قتل کا حکم دیا۔ اور نہ صرف اسی پر اکتفا کی بلکہ ایک اور مسیحی جو باہر کھڑا ہوا تھا اب معلوم ہوا کہ وہ بھی مسیحی ہے تو اُس کے مارے جانے کا بھی حکم دیا۔ جسٹن نے اپنی اس [illegible] میں اس بات کو ثابت کر دیا کہ ان غریب مسیحیوں پر

بلا قصور موت کا فتویٰ دیا گیا تھا۔ اور اس کے سوا یہ بھی ثابت کر دیا کہ مسیحیوں کا ایسی ایذاؤں میں خوش رہنا اور اپنے ایمان پر قائم رہنا اُن کی معصومیت کا کامل ثبوت ہے۔ مگر افسوس کہ جٹس کی یہ دلائل کارآمد نہ ہوئیں۔ بلکہ اُلٹا خود بھی مورد غضب ہو کر اس مصیبت کا شکار بنا۔

بنا برآں شہید مع اپنے چھ شاگردوں کے رومانی مجسٹریٹ رسٹیکس کے حضور لایا گیا۔ مجسٹریٹ نے اُسے تحریک دی کہ وہ رومی دیوتاؤں کی پرستش کرے اور قیصر کی مورت کی قسم کھا کر بچ جائے۔ مگر جٹس نے صاف انکار کیا اور کہا میں نے سب علموں کی تحقیق کی۔ لیکن جب تک کہ خداوند یسوع مسیح کا علم حاصل نہ کیا ان علوم سے مطلق دلی چین حاصل نہ ہوا۔ مجسٹریٹ نے کہا اے کمبخت کیا یسوع مسیح نے تجھے بھی دیوانہ بنایا اور کیا تو اُس کا پیرو بن گیا؟ جٹس نے جواب دیا ہاں۔

مسیحا کی محبت نے کیا ہے مجھ کو دیوانہ
اُسی کی مہر و اُلفت نے بنایا مجھ کو مستانہ

نہ غم ہے موت کا مجھ کو نہ ایذا سے ہے کچھ خطرہ
چلا جاتا ہوں عیسیٰ کا پکڑ دامن دلیرانہ

میں تو اُسی مذہب کا پیرو ہوں اور اس کے عقیدے اور اصول پر چلتا ہوں اور میرا یقین ہے کہ وہ تعلیم اور عقائد برحق و درست ہیں۔" مجسٹریٹ نے کہا کیا تمہیں شرم نہ آئیگی جبکہ سب کے سب اس عقیدہ کے سبب بُری طرح سے مارے جاؤ۔" جٹس نے جواب دیا جناب:

شرم ہوتی جو کسی جُرم کے بدلے مرتے
راستی کے لئے جاں دینے میں کچھ عار نہیں

پھر مجسٹریٹ نے دریافت کیا "تم لوگ عبادت کے لئے کہاں فراہم ہوتے ہو؟" جٹس نے کہا کہ "خدا روح ہے اور وہ ہاتھوں کے بنائے ہوئے مندروں میں سکونت نہیں کرتا بلکہ ہمہ جا حاضر و ناظر ہے۔ اس لئے جہاں ہم کو موقع ملتا ہے وہاں پر ہم اس نادیدنی خدا کی پرستش کیلئے جمع ہوتے ہیں"۔ اس کے بعد مجسٹریٹ نے اُس کے رفیقوں سے پوچھا کیا تم مسیحی ہو؟ سب نے کہا ہاں ہم مسیحی ہیں تو اس نے جٹس سے طنزاً یہ کہا کہ اگر میں سر سے پاؤں تک تمہیں کوڑے مار دوں تو کیا تم سمجھتے ہو کہ تم آسمان کے وارث ہو گے؟" جٹس نے جواب دیا "ہاں۔ یہی میرا ایمان ہے اور جیسا کہ آپ فرماتے ہیں اگر میں مصیبت اُٹھاؤں تو اسی میراث کو پاؤنگا۔" پھر مجسٹریٹ نے حتی المقدور کوشش کی اور یکے بعد دیگرے ہر ایک کو ترغیب دی کہ وہ بتوں کی عبادت منظور کریں مگر اُنہوں نے صاف انکار کیا۔ تب مجسٹریٹ نے کہا کہ "اگر تم اپنی ضد پر قائم رہو تو بڑی بے رحمی سے ٹکڑے ٹکڑے کئے جاؤ گے۔" اُن سب نے کہا کہ ہم خوشی سے مسیح کی خاطر دُکھ اُٹھانے کو تیار ہیں ؎

کرو قتل ہم کو کہ جائیں فلک پر
جدائی مسیحا کی تڑپا رہی ہے

پس مجسٹریٹ نے اُنہیں کوڑے مارنے اور اُن کے تنوں سے سروں کو جدا کرنے کا فتویٰ دیا اور یوں جٹس اور اُس کے رفقاء مقتل میں لائے گئے جہاں اُن سبھوں نے خوشی سے جام شہادت نوش کیا۔

انہیں کہتا ہے مردہ کون یہ زندوں کے زندہ
ہیں ان کی خوبیاں زندہ ہیں اُنکی نیکیاں باقی

بھائیو اور بہنو! کیا آپ بھی مقدس جٹس اور اس کے رفیقوں کی مانند موت تک اپنے ایمان کے اقرار پر ثابت قدم ہیں!

راقمہ (مسز) کے۔ خیر اللہ۔ کلارک آباد

ضرورت ہے

ایک سوگا ٹرینڈ جے۔ وی۔ کی ضرورت ہے۔ تنخواہ ۲۵-۲-۴۵ ایک نیا ٹرینڈ شدہ نوجوان ایس۔ وی تنخواہ ۳۰-۳-۵۰ ایک ایف۔ اے سی۔ اے۔ وی۔ تنخواہ ۳۵-۳-۸۵ ایک بی۔ اے ایس اے۔ وی تنخواہ ۱۰۰-۵-۱۵۰ ترقی ہر دو سال کے بعد ہوگی۔

صرف عیسائی معلمین اپنی درخواستیں بنام مینیجر صاحب مشن سکول گجرات پنجاب کر سکتے ہیں

اسلام پور میں مہاتما گاندھی کو ایک جلسہ میں حضور نظام کی طرف سے ۲۰ ہزار روپیہ کی تھیلی پیش کی گئی (عام)

لائل پور چرچ پمفلٹ

قرمزی سوت کی ڈوری۔ یشوع ۲: ۱۸

بنی اسرائیل اپنے سفر میں دریائے یردن کے اس طرف پہنچ گئے ہیں۔ سامنے ایک بڑی مہم نظر آتی ہے۔ ایک بڑا شہر تھا جس کے چاروں طرف فصیل تھی۔ اس شہر کو بنی اسرائیل جیسی بے سروساماں گروہ کے لئے فتح کرنا ممکن نہ تھا تاہم خداوند کا منشاء تھا کہ یہی گروہ نہ صرف اس شہر پر قابض ہو بلکہ ایک بڑی سبق آموز کہانی تعلق رکھتی ہے۔

یشوع سپہ سالار نے یردن پار پہنچ کر یریحو کو سر کرنے سے پیشتر دو شخصوں کو بھیجا کہ اس شہر کی جاسوسی کریں۔ چنانچہ وہ دو شخص کسی ڈھنگ سے اس شہر میں داخل ہو گئے۔ اور راحب فاحشہ کے ہاں جا اُترے۔ اس اثناء میں بادشاہ کو خبر لگ گئی کہ بنی اسرائیل کے دو شخص بطور جاسوسوں کے شہر میں گھس آئے ہیں۔ چنانچہ اس عورت نے اُنہیں اپنے کوٹھے کی چھت پر چھپا رکھا اور ایک مناسب وقت پر ایک مضبوط ڈوری سے دیوار پر سے نیچے پہنچا دیا۔ اس طرح وہ بچ کے بھاگ گئے۔ مگر پیشتر اس سے کہ اُس عورت نے انہیں لٹکایا اُن جاسوسوں اور اس عورت کے درمیان ایک عہد و پیمان ہوا جس میں دو جاسوس اور ان کی ساری قوم اور عورت اور اُس کے سارے خویش واقربا شامل تھے۔ معاہدہ یہ تھا کہ عورت اور اس کے سارے رشتہ دار بچائے جائیں اگر وہ اپنے دریچہ سے **قرمزی سوت کی ڈوری** باندھ رکھے۔ اور اپنے سارے عزیزوں کو جنکو وہ بچانا چاہتی ہے اپنے گھر کی چار دیواری میں رکھے۔ جاسوسوں کی طرف سے یہ معاہدہ تھا۔ وہ اور اُنکی ساری قوم اس قرمزی سوت کی ڈوری پر لحاظ رکھینگے اور جتنے اس عورت کے گھر کی چار دیواری کے اندر ہونگے محفوظ رہینگے چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔ وہ عورت اور اس کا گھرانا محفوظ رہا۔ آؤ ہم بھی اس قرمزی ڈوری سے ایک دو سبق سیکھیں

اوّل۔ یہ قرمزی ڈوری ایک ظاہری نشان تھا۔ یہ

دیکھو صلا

نورافشاں

مطبوعہ ۱۱ مارچ ۱۹۲۷ء

مسیحی و مسلم اتحاد کے معنے

۲۸ جنوری کے نورافشاں میں ہم نے "ہندو آریہ دوستوں کا افسوسناک رویہ" کے عنوان سے ایک نوٹ سپرد قلم کیا تھا۔ جس پر معصر پرکاش نے "مسیحی مسلم اتحاد" کے عنوان سے حسب منشا ہمیں سنائی تھیں۔ آج ہم آپ کے شکوہ کا جواب عرض کرتے ہیں چونکہ عنوان مذکورہ کو معصر اہلحدیث امرتسر نے بھی قائم کیا تھا۔ اسلئے ہم عنوان مافوق کی ذیل میں ہی اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔

اس میں کلام نہیں کہ فی زمانہ مسیحی و مسلم ایک دوسرے سے برسرپیکار چلے آئے ہیں۔ وہ خود اس بات کو مانتے آئے ہیں کہ غیروں کے ساتھ اُن کا اتحاد ہو سکتا ہے۔ لیکن مسیحی و مسلم اتحاد نہیں ہو سکتا۔ اسی وجہ سے معصر پرکاش نے بھی اپنی حیرت کا کھلے الفاظ میں اظہار فرمایا۔ لیکن ہم یہ گذارش کرتے ہیں کہ گو مسیحیت دنیا کی ہر ایک ملت سے کسی معنا کا اتحاد کر سکتی ہے لیکن اسلام سے سب سے زیادہ اتحاد کا امکان رکھتی ہے۔

ہمیں یہ کہنے کی بھی جرأت ہے کہ بلاشک مسیحی و مسلم اصحاب کے عنوان مافوق کو دیکھ کر کان کھڑے ہو جائینگے اور وہ اس نسخہ کے اجزای ترکیبی پر اپنی حیرانی کا اظہار کرینگے۔ لیکن ہم بفضل خدا ان کی تسلی کے لئے موجود ہیں جن مسلم اصحاب نے مسیحی و مسلم اتحاد کی ہم سے زعیت دریافت کی ہے۔ اُن کو ہم ذیل میں جواب دیئے دیتے ہیں۔

مسیحی و مسلم اتحاد کی بنیاد

. . . . مسیحیت نے دنیا کو سکھایا ہے کہ جو ہمارا مخالف نہیں وہ ہماری طرف ہے" جس کا صاف مطلب یہی ہے کہ وہ ... ہے۔ اہل ملل کی جماعت میں کثیر افراد و خاندان اور گروہ ہیں داخل ہیں۔ ان میں سے ایک گروہ مسلمانوں کا بھی ہے جو اسلام و قرآن کے معتقد ہیں۔

جو شخص قرآن و اسلام سے اور تاریخ اسلام سے واقفیت رکھتا ہے۔ اس سے یہ بات ہرگز پوشیدہ نہیں کہ حضرت محمد، قرآن و اسلام مسیحیت کے مصدق ہیں مسیحیوں کی بائبل کے مصدق ہیں خداوند یسوع مسیح کے مصدق ہیں۔ بائبل کے انبیاء کے مصدق ہیں۔ بائبل کے خدا کے مصدق ہیں۔ مسیحیوں کے مصدق ہیں۔ اس کے ماسوا مسیحیت اور اس کے متعلقات کے مکذبین کے مکذب ہیں۔ حتیٰ کہ یہودیت اور یہود کے بھی مکذب ہیں جنہوں نے مسیحیت سے کفر و انکار کیا تھا اور غیر یہودی اقوام کے بھی مکذب ہیں جنہوں نے مسیحیت سے کفر و انکار کیا۔

اب اگر آنحضرت اور قرآن و اسلام کی بابت مافوق بیان مسلم دنیا کے نزدیک حق اور درست ہو اور مسیحی علماء کے نزدیک درست دکھائی ہو تو آنحضرت و قرآن و اسلام نہ صرف مسیحیت کا مخالف ثابت نہیں ہو سکتا بلکہ اس سے بڑھ چڑھ کر مسیحیت کا مصدق ثابت ہو سکتا ہے۔ پھر بھلا مسیحیوں کو یہ حق کیسے پہنچ سکتا ہے کہ وہ اپنے مصدقوں کی تکذیب و توہین پر آمادہ ہوں۔ اور آنحضرت کو قرآن و اسلام کو اپنا دشمن خیال کریں۔ ظاہر ہے کہ مسیحیوں کو آنحضرت و قرآن و اسلام کی تکذیب کا ہرگز حق نہیں پہنچتا پس مسیحی آنحضرت اور قرآن و اسلام کو اپنا مصدق ہی مان سکتے ہیں اور وہ ہرگز اپنے مصدقوں کی تکذیب نہیں کر سکتے بلکہ ان کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ اپنے مصدقوں کی تصدیق کریں۔

مسیحیت کے مصدق مسیحیت کے مکذب نہیں مانے جا سکتے

جب مسیحیوں کو یہ حق نہیں پہنچتا ہے کہ وہ اپنی مسیحیت اور اسکے متعلقات کے مصدقوں کی تکذیب کریں ویسے ہی مسلمانوں کو بھی یہ حق نہیں پہنچتا ہے کہ وہ آنحضرت و قرآن و اسلام کے مصدقوں کی تکذیب پر کمربستہ ہوں مسیحیت اور اس کے متعلقات کی تکذیب کے جواز میں خواہ مسلمانوں کے پاس کیسی ہی زبردست معتبر روایات ہوں تو بھی انکی سند کی بنیاد پر وہ قرآن و اسلام اور حضرت محمدؐ کے مصدقوں کی تکذیب کرنے کا مطلق حق نہیں رکھتے ہیں۔ اگر مسلم اصحاب مسیحیت کی تکذیب کی روایات کو اہمیت دیں تو ظاہر ہے کہ اس سے وہ خود آنحضرت اور قرآن و اسلام کی تکذیب روا رکھتے ہیں جس نے مسیحیت اور اس کے متعلقات کی تصدیق شد و مد سے کی ہے اور وہ مسیحیوں کو بھی مجبور کرتے رہتے ہیں کہ وہ بھی اُن کی طرح آنحضرت اور قرآن و اسلام کی کسرشان کرتے رہیں۔ قرآن و اسلام کو نہ سمجھنے والے مسلم بھائیوں کے ہی اس طرز عمل کی وجہ سے مسیحی بھی اب تک ایسی غلط طرز عمل کے عامل بنے رہے ہیں مگر ہم آنحضرت اور قرآن و اسلام کی عزت و حرمت کے لئے مسلم بھائیوں کو یہ بات تبلا دینا چاہتے ہیں کہ مسیحی ہرگز آنحضرت اور قرآن و اسلام کو مسیحیت کا مکذب نہیں مانینگے مسلم اصحاب کو اس طرز عمل پر خود غور و فکر کرکے اپنا طرز عمل بدل لینا چاہئے۔

اب اگر مسیحیوں اور مسلموں کی نظر میں ہماری گذارش معقول ہے

تو مسیحی و مسلم اتحاد کی بنیاد پڑ گئی مسیحیوں اور مسلموں کا یہ فرض مقرر ہو گیا کہ وہ ایک دوسرے کے مذہب کا احترام کرتے ہوئے ہندوستان میں مسیحیت و اسلام کے قیام و حفاظت کے لئے کوئی مشترکہ طرز عمل تجویز کریں۔ لیکن جب تک ہمارے بیان مافوق کو ہمارے مسیحی و مسلم بزرگ مقبولیت کا شرف عطا نہ فرمائیں تب تک ہم مسیحی و مسلم اتحاد کا کوئی طرز عمل تجویز نہیں کر سکتے ہیں۔ اسی وجہ سے ہم اپنے بیان مافوق کو مسلم معاصرین اور مسیحی بھائیوں کی منظوری کے لئے نورافشاں کے کالموں میں پیش کئے دیتے ہیں اور امیدوار ہیں کہ ہمارے معزز مسلم معاصرین ہمارے بیان مذکورہ بالا کو اپنے اخباروں میں نقل کرکے اس پر اپنی آراء کا اظہار فرمائینگے اور مسیحی اہل الرای سے بھی متمنی ہیں کہ وہ اپنی آراء سے آگاہ فرمائینگے بعد منظوری مسیحی و مسلم اتحاد کے طرز عمل پر خیالات کا بھی اظہار کیا جائیگا۔

ہندوستان میں غیر ملکی آمد و رفت سے کھانسی کا مرض عام ہو گیا ہے۔ (عام)

برائی کے بدلے بھلائی

پولس رسول لکھتا ہے کہ اگر تیرا دشمن بھوکا ہو تو اس کو کھانا کھلا اگر پیاسا ہو تو اس کو پانی پلا۔

یہ طرز عمل انسانی طرز عمل کے بالکل برعکس تو ہے مگر خداوند یسوع مسیح کی روح کے عین موافق و مطابق ہے۔ انتقام لینے کا اس سے بڑھ کر شریفانہ طریقہ اور کسی نے تجویز نہیں فرمایا ہے۔ اگر کسی نے یہ طریقہ تجویز بھی کیا ہو تو اس شخص کی بابت یہ بات کسی کو معلوم نہیں کہ وہ اپنے دشمنوں سے عمر بھر یہی سلوک کرتا رہا تھا یا نہیں۔ مگر خداوند یسوع مسیح کی بابت یہ بات ثابت ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے دشمنوں سے ایسا ہی کرتا رہا تھا۔

بھلائی کے عوض برائی انتہا درجہ کی شیطنت ہے۔ سنگ دلی ہے۔ وحشی پن ہے جو انسانیت کے بالکلیہ خلاف ہے۔ وہ لوگ جو بھلائی کے عوض برائی کرنا اپنی شجاعت و ناموری کا تمغہ یقین کئے ہوئے ہیں انسانوں میں بدتر قسم کے انسان خیال کئے جا سکتے ہیں۔ کیونکہ انسانیت کا تقاضا بھلائی کے عوض بھلائی ہے۔ لیکن حیوانیت کا تقاضا ہے کہ بھلائی کا معاوضہ برائی ہو۔

برائی کا معاوضہ بھلائی الٰہی یا خدائی طبیعت کا فعل و تقاضا ہے۔ خدا میں برائی نہیں۔ اس وجہ سے وہ برائی کا معاوضہ برائی نہیں دیتا ہے۔ چونکہ وہ انتہائی معانی میں نیک اور بھلا ہے۔ اس وجہ سے وہ برائی کا معاوضہ بھلائی ہی دے سکتا ہے یہی مزاج و طبیعت خداوند یسوع مسیح کی تھی۔ اگر ہم خداوند یسوع مسیح کی پیروی کرنا چاہیں تو ہم بھلائی کا عوض بھلائی دے سکتے۔ برائی کے عوض بھلائی کر سکتے ہیں۔ لیکن برائی کے عوض برائی نہیں کر سکتے ہیں۔ اس وجہ اگر تو غریب آدمی سے بھلائی کریگا تو وہ تجھے دولتمند بنا دیگا۔ اگر تو محتاج بیمار سے بھلائی کریگا تو وہ تجھے مضبوط و توانا کر دیگا۔ اگر تو مصیبت زدہ سے بھلائی کریگا تو وہ تیری تسلی کو بڑھا دیگا۔

ہم تین طریق سے خدا کے ساتھ تعاون کر سکتے ہیں

(۱) ہم اپنی خواہشوں اور تدبیروں میں خدا کے ساتھ سوچنے اور خیال کرنے میں (۲) اپنی روزانہ زندگی کے کام میں اس کے ساتھ تعاون کر سکتے ہیں (۳) اپنی دعاؤں میں اس کے ساتھ تعاون کر سکتے ہیں کہ ہم پورے طور سے اسکی روح اور اسکی پاک مرضی کی موافقت حاصل کریں۔ تب ہی ہم برائی کے عوض بھلائی کر سکتے ہیں

ڈاکٹر آر بین

کتب عہد عتیق کی صحت پر ایک محققانہ نظر

سوم۔ طالمودی زمانہ۔ (از بربادی یروشلم تا ۶۰۰ء)

(۱)

یروشلم کی تباہی کے ساتھ اہل یہود کی قومی زندگی کا خاتمہ ہو گیا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ان کی بیرونی شان و شوکت ان کی بادشاہی کے خواب۔ ان کا مقدس شہر ان کے خدا کی ہیکل سب کچھ رومی فاتحین کے ہاتھوں برباد اور تباہ ہو چکے ہیں۔ تو انہوں نے اپنے قدیمی خزائن کو محفوظ رکھنے کی سر توڑ کوشش کی۔ ان کی عبرانی کتب مقدسہ ہی ان کے خزائن تھے۔ پس انہوں نے اپنی کتب مقدسہ کے مطالعہ کی طرف توجہ کی جس کا ایک ایک نقطہ اور حرف ان کی آنکھوں میں واجب الاحترام تھا۔ تھوڑے سے عرصے میں ہی درس و تدریس کے مدرسے جابجا کھل گئے۔ جن میں زیادہ مشہور مدرسے لدا۔ قیصریہ اور طبریاس کے مدرسے تھے۔ ان مدرسوں میں علم صرف و نحو علم تنقید اور علم تفسیر پڑھائے جاتے تھے۔ مؤخر الذکر یعنی طبریاس کا مدرسہ جھیل کے کنارے واقع تھا اور سب سے زیادہ مشہور اور معروف تھا۔ اس جگہ نہ کوئی سامری نہ کوئی بت پرست اور نہ ہی کوئی مسیحی رہ سکتا تھا۔ اس جگہ کا مدرسہ تمام یہودی دنیا میں مشہور تھا اور یہ جگہ اہل یہود کی گویا دار العلوم تھی۔ ربی یہوداہ (جسکی وفات سنہ ۲۲۰ء میں ہوئی) اسی دار العلوم میں استاد تھا اور ربی یوحنا۔ اکولا اور سمیکس اسی دار العلوم میں ربی عقیقہ کے شاگرد رہ چکے تھے اور جب مسیحیت نے اس یہودی قلعہ کو سر کر لیا۔ اس دار العلوم کے طلبا دیگر ممالک کو نقل مکانی کر گئے اور انہوں نے وہاں درس و تدریس کا سلسلہ جاری کر دیا۔ یہاں تک کہ دریائے فرات کے کنارے بابل کی سرزمین کے یہودی دار العلوم نے طبریاس کے دار العلوم کو بھی مات کر دیا۔

ان مدرسوں میں صرف یہودی کتب مقدسہ اور ان کے متعلقہ مضامین پر ہی درس دیئے جاتے تھے۔ اور بالخصوص یہودی استاد اپنے آباؤ اجداد کی تفاسیر اور کتب مقدسہ کے متعلق روایات پر زیادہ زور دیتے تھے جنہیں منجی عالمین نے انہی استادوں کے آبا کو فرمایا تھا "کہ تم خدا کے حکموں کو ترک کر کے آدمیوں کی روایت کو قائم رکھتے ہو ..... تم خدا کے کلام کو اپنی روایت سے جو تم نے جاری کی باطل کر دیتے ہو اور بہتیرے ایسے کام کرتے ہو" (مرقس ۷: ۸-۱۲) ان روایات اور روایتی تفسیروں کو ان یہودی استادوں نے یکجا باقاعدہ جمع کیا اور اس کا نام مشناہ رکھا۔ بعد ازاں خیال کر کے یہ زبانی روایات یا مشناہ ضائع نہ ہو جائے طبریاس کے مدرسہ کے ربی یہوداہ اور دیگر اساتذہ ان کو احاطہ تحریر میں لے آئے اور ان روایات کی تفسیرات (جس کا نام جمراہ رکھا گیا) بڑھتی گئیں۔ مشناہ اور جمراہ دونوں کو یکجا جمع کر کے مجموعہ کا نام طالمود رکھا گیا۔ ان کے مطالعہ پر اتنا زور دیا گیا کہ یہودی ربی کہتے تھے کہ وہ شخص جو کتب مقدسہ سے واقف ہے لیکن مشناہ کو نہیں جانتا احمق ہے۔ موسیٰ کو شریعت دن کو دی گئی اور مشناہ رات کو۔ توریت نمک کی طرح ہے۔ لیکن مشناہ مرچ اور جمراہ خوشبودار مصالحہ کی طرح ہے۔ مشناہ دوسری صدی مسیحی میں اور جمراہ چوتھی صدی مسیحی میں لکھے گئے تھے۔ یہ ظاہر ہے کہ طالمود۔ مشناہ اور جمراہ میں کتب مقدسہ کے اقتباسات موجود ہونگے۔ کیونکہ طالمود کتب مقدسہ کی تفسیر ہی کا نام ہے۔

(۲)

اس سلسلہ میں طالمود کے علاوہ تارگم کا ذکر کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ ذکر ہو چکا ہے کہ جب بنی اسرائیل اسیری سے واپس آئے تو عزرا فقیہ نے عبرانی نسخہ ان کے سامنے پڑھا۔ لیکن چونکہ عوام الناس عبرانی سے ناواقف تھے اور آرامی زبان جانتے تھے



لہٰذا لاوی ان کے معنی بتلاتے اور ان پڑھی ہوئی باتوں کی عبارت ان کو سمجھاتے تھے" (نحمیاہ ۸:۸) مابعد کے زمانہ میں یہ دستور ہو گیا اور چونکہ عوام الناس عبرانی سے ناواقف تھے۔ عبادت خانوں میں پہلے عبرانی نسخہ پڑھا جاتا تھا اور پھر ایک شخص اُن کا آرامی زبان میں ترجمہ کر کے اپنے الفاظ میں اس عبادت کو سمجھاتا تھا۔ اس ترجمہ شدہ عبارت کا نام یہودی اصطلاح میں تارگم ہے۔

پس اگر طالمود اور تارگم دونوں کا مقابلہ موجودہ عبرانی کتبِ مقدسہ کے الفاظ سے کیا جائے تو ان الفاظ کی صحت کے مسئلہ پر بہت روشنی پڑ سکتی ہے۔ ان یہودی مدرسوں کے اُستادوں نے مختلف قراتوں کو اکٹھا کیا۔ جب وہ نسخوں میں کوئی فاحش غلطی دیکھتے تھے تو وہ متن کو درست نہیں کرتے تھے بلکہ صحیح لفظ کو حاشیہ پر لکھ دیتے تھے نسخوں کو نقل کرنے کے لئے اُنہوں نے بتفصیل ہدایات لکھیں اور مشابہ حروف کی نسبت انہوں نے اپنے شاگردوں کو خبردار کیا۔ اُنہوں نے کتبِ مقدسہ کی ہر ایک کتاب کی آیات اور الفاظ کو گنا تاکہ نقل کرتے وقت کسی طرح کی غلطی نسخوں میں داخل نہ ہو جائے۔ اُنہوں نے اپنے آباؤ اجداد کی روایات کو جو متن کے الفاظ کے متعلق سینکڑوں برس سے سینہ بسینہ چلی آتی تھیں لکھ کر اپنے شاگردوں کو دیں۔ غرضیکہ اپنی کتبِ مقدسہ کے الفاظ اور حروف کو محفوظ رکھنے کے لئے وہ جو کچھ بھی کر سکتے تھے اپنے علم اور طاقت کے موافق کرتے رہے۔ ان کی نظر میں اُن کی کتب کا ایک ایک نقطہ پاک اور واجب الاحترام تھا۔ لہٰذا اُنہوں نے اپنی قدرت کے موافق ان الفاظ کو بصحت محفوظ رکھنے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔

جب ہم طالمود اور تارگم کا مقابلہ عبرانی کتبِ مقدسہ سے کرتے ہیں تو ہم پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جہاں کہیں ان کتب میں انہی الفاظ کا صحیح اقتباس کیا گیا ہے وہ لفظ بلفظ موجودہ عبرانی عبارت کے ساتھ ملتا ہے۔ پس ہم وثوق کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو عبرانی کتبِ مقدسہ ہمارے ہاتھوں میں آئی ہیں وہ بعینہٖ وہی ہیں جو اس زمانہ میں موجود تھیں۔

حقیقتِ صلیب

مضمون گو مختصر ہے مگر نہایت دلچسپ اور قیمتی خیالات کا مجموعہ ہے۔ ہم مسٹر جلال الدین صاحب سے یہ امید کر سکتے ہیں کہ وہ اوروں کے فائدہ کے لئے آگے کو بھی ایسی تکلیف اٹھاتے رہینگے۔ (ایڈیٹر)

حضرات۔ اس جہان میں جدھر نظر اُٹھائیں۔ درد بھرے دل اور غمزدہ چہرے دکھائی دیتے ہیں۔ گردوپیش سے گروہ بھوک اور افلاس، رنج والم سے اس قدر نالاں ہیں کہ ہمارے تمدن میں ایک عجیب ہیجان سا پیدا ہو رہا ہے۔ کوئی بسترِ مرگ پر پڑا تڑپتا ہے۔ کسی کو اپنے بھائی کی تکلیفیں دُور کرنے کا غم لگا ہوا ہے۔ یہ کسی خاص قوم یا ملک تک ہی محدود نہیں۔ بلکہ ایک عالمگیر حقیقت ہے۔ جیسے اقبال نے لکھا ہے۔ گویا ع

موجِ غم پر رقص کرتا ہے حبابِ زندگی

زندگی کا کوئی شعبہ نہیں جس پر اس عنصر نے اپنا تسلط نہ جمایا ہو۔ کوئی فن نہیں جس نے دکھ اور تکلیف کو خراج نہ دیا۔ مصوری کے شہ کار غم کی رلانیوالی تصویریں ہیں علم ادب کے دردناک فسانے۔ شاعری میں آنسو بہانیوالی نظمیں یہ سب اس بات کی شاہد ہیں کہ اس جہان میں دکھ ایک حقیقت ہے۔ جس سے کسی کو انکار نہیں۔

دکھ نہ صرف موجودہ زمانہ میں عالمگیر حقیقت ہے بلکہ ابتدا سے ایسے ہی چلا آیا ہے۔ کوئی بچہ کتم عدم سے وجود میں نہیں آتا جس کے باعث کسی نہ کسی کو تکلیف نہ ہوئی ہو۔ جب حضرت انسان کو باغِ عدن سے نکالا گیا تو تکالیف اُس کے ورثہ میں کر دی گئی۔ دُنیا کی پُرانی سے پُرانی تاریخیں اور مذہبی کتابیں اس بات کی شاہد ہیں۔ ایوب کی کتاب جو دنیا کی سب سے پُرانی کتابوں میں سے ایک ہے۔ اسی ایک مسئلہ کی تشریح میں لکھی گئی ہے۔ وہ ایک ڈرامہ ہے جس میں شرح وبسط کے ساتھ غم اور تکالیف کے معنی بیان کئے گئے ہیں۔ ہمارے اپنے ملک میں کون رامچندر جی کے بن باس اور گوتم بدھ کی تکلیف کو بھول سکتا ہے۔ کون مسلمان ہے جسکو کربلا کے نظارے خون کے آنسو نہیں رُلاتے

تعجب اس میں نہیں کہ یہ عالمگیر اور قدیم حقیقت ہے بلکہ اس کا پریشان کن پہلو یہ ہے کہ لوگ اس کے متعلق بالکل مختلف رائے رکھتے ہیں۔ مگر تم پر اس کے مشاہدہ سے کچھ اور اثر ہوا۔ ایوب پر اور یرمیاہ رسول پر کچھ اور۔ دُکھ کی حقیقت سے دنیا میں بہتوں کو ٹھوکر لگی ہے۔ لوگوں نے اپنے تسلی پانے والے دلوں سے یہ سوال پوچھے نہیں کہ کیا خدا رحم اور محبت کا بانی ہے۔ اگر وہ پیارا باپ ہے تو اپنے بچوں پر ظلم وستم کیوں روا رکھتا ہے۔ اقبال کے ہمنوا ہو کر ہم پوچھتے ہیں ؎

پھر یہ آزردگیٔ غیر سبب کیا معنی؟

اپنے شیداؤں پہ یہ چشمِ غضب کیا معنی؟

اتنی تکلیف اور مصیبت کے ہوتے ہوئے محبت کرنے والے خدا میں ایمان رکھنا محال ہوتا ہے اور ہمارے ایمان کو ٹھوکر لگتی ہے۔ البتہ اگر خدا کا تصور ہمارے لئے ایک وحشت سختی کرنے والے بادشاہ کا سا ہو۔ تو اُسکی شان کے شایاں ہے کہ وہ نیرو بادشاہ کی طرح اپنے ملک کو جلائے اور خود بانسری بجائے۔ یا اگر خدا کا مفہوم ہمارے نزدیک ایک ازلی قوت کا سا ہے جو بغیر جس و جذبہ کے اپنا کام کئے جا رہی ہے۔ تو پھر تکالیف و مصائب خدا کے احاطۂ کار و خیال سے باہر ہیں۔ اور اُن کا گھٹنا یا بڑھنا ہر انسان کے قوت بازو پر موقوف ہے جس طرح نظامِ عالم میں اور چیزیں واقع ہوئی ہیں اُسی طرح تکلیفیں بھی برپا ہوتی ہیں۔ لوگ سہتے ہیں۔ مر جاتے ہیں اور خاتمہ ہو جاتا ہے۔ ایسی تکالیف بالکل بے انجام اور بے مدعا ہونگی۔

میں نے عرض کیا ہے کہ عالمگیر تکلیف اور مصیبت کو دیکھکر ہمارے ایمان کو ٹھوکر لگتی ہے۔ بعض تکلیفیں بے شک ہمارے اپنے کرموں کا نتیجہ ہیں بے اعتدال لوگ اپنی نفسانی لذات کے اس قدر غلام ہو جاتے ہیں کہ ان کی صحت دن بدن رستی جاتی رہتی ہے۔ بلکہ ایسے امراض لاحق ہو جاتے ہیں جن سے چھٹنا محال ہے۔ شرابی اپنی بُری عادت میں پھنسکر تکلیف اٹھاتا ہے یہ قرینِ قیاس ہے۔ مگر اس کی بیوی اور بچوں کا

مصیبت میں مبتلا ہونا بغیر گناہ کے سزا کا مورد ہونا۔ یہ ہمارے حس عدل کو ٹھیس لگاتا ہے کیا خدا کا یہ انصاف ہے کہ گناہ تو کوئی کرے اور سزا دوسروں کو ملے۔

پھر بعض ایسی تکلیفیں ہیں جو بالکل بے معنی دکھائی دیتی ہیں۔ مثلاً کل کے اخبار میں ہم نے پڑھا کہ انگلستان میں ایک کوئلے کی کان میں بہت سے لوگ کام کر رہے تھے اچانک اوپر سے دیواریں پھسلیں اور کوئی ایک سو آدمی نیچے دب کر مر گئے۔ اب ان لوگوں کو کہاں خیال تھا کہ ہم زندہ درگور ہو جائیں گے۔ کونسی عظیم تقصیر ان لوگوں نے کی جالیسی سخت سزا پائی۔ ہم اپنے ملک میں دیکھتے ہیں جب کبھی فسادات ہوتے ہیں تو معصوم لوگوں پر مصیبت نازل ہوتی ہے۔ ایسی تکلیف بے معنی لگتی ہے۔

اگر تھوڑی دیر کے لئے مان لیا جائے کہ انسان اپنی اور ہمسایوں کی تکلیفوں سے کچھ نہ کچھ سبق حاصل کرتا ہے تو جانور بیچارے جو تکلیف اٹھاتے ہیں۔ کیا سبق سیکھ سکتے ہیں۔ ان کی تکلیف تو بالکل بے معنی ہوگی۔

دکھ کی عالمگیر حقیقت سے کسی مذہب کو انکار نہیں۔ یہودی مذہب نے اسکی تفسیر ایوب کی کتاب میں کی ہے۔ وہاں تین قسم کے لوگ آتے ہیں۔ ایک تو وہ گروہ ہے جنکا خیال ہے کہ انسان کے دکھ اور مصائب اس کے گناہوں کا نتیجہ ہیں جو جان گناہ کریگی سو ہی مریگی۔

پھر ایک اور گروہ ہے جنکا خیال ہے کہ جس طرح خدا کے دیگر فیض عام ہیں۔ اُس کا سورج نیکوں اور بدوں پر چمکتا ہے اسی طرح اسکی تکلیف بھی نیکوں اور بدوں دونوں کے لئے ہے۔ پھر تیسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ بیشک جس طرح آسمان پہ گھٹائیں چھائیں اور نیک و بد دونوں ان کو دیکھتے ہیں۔ اسی طرح دکھ اور سکھ کی گھٹائیں نیکوں اور بدوں سب دونوں پر چھاتی ہیں مگر اصل درد اور تکلیف ہماری اندرونی کیفیت پر موقوف ہے مثلاً کوئی الحقیقت تکلیف زیادہ ہے بہ نسبت نیکوں کے بڑی بات کا نام ہماری سمجھ ۔۔۔ میں تاریکی ہے۔۔۔

پھیلی ہوئی ہے وہ بھی خیال ہے کہ ہماری تکلیفیں ہمارے گناہوں کے باعث ہیں۔ یہ خیال صحیح نہیں کیونکہ اس میں صرف اس دنیا کی چیزوں کا خیال رکھا گیا ہے۔

پھر ہندو دھرم کو لیجئے۔ اُس نے تو یہودی مذہب سے بھی بڑھکر اس پر غور و خوض کیا اور نہ صرف دکھ کو اس جہان تک محدود رکھا۔ بلکہ کہا کہ انسان اپنے کرموں کا پھل ایک ہی زندگی میں نہیں بلکہ کئی زندگیوں میں پائیگا۔ چنانچہ کرم فلاسفی اور مسئلہ تناسخ اسی بنا پر قائم ہوئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ گناہ کی سزا ضرور ہے مگر ہر سزا پانے والا مجرم نہیں ہے۔

جیسے اپنشدھ میں دکھ اور درد گناہوں کا نتیجہ بتلائے گئے ہیں ایسے بدھ مت کی تعلیم ہے۔ وہ بھی دکھ کو بُرا سمجھتے ہیں اور اس سے رہائی یا نروان حاصل کرنے کے لئے پیدائش کے چکروں سے باہر نکلنا چاہتے ہیں۔ یہاں بھی نامکمل تفسیر ہے کیونکہ معصوموں کی ہلاکت انکی اپنی برائی سے کیا ہوگی۔

مسیح کا مذہب اس کی علیحدہ تفسیر کرتا ہے۔ ہمارے نزدیک دکھ کا ہونا بُری چیز نہیں ہے۔ بلکہ اگر سکھ اور چین کی حقیقت اور کیفیت کو جاننا چاہتے ہیں تو اس کا مقابل یعنی دکھ کا ہونا ضروری ہے۔ دکھ اور سکھ ہماری زندگی کے دو پہلو ہیں۔ ایسے جز ہیں جنکا مناسب محل پر رکھنا ہمارا فرض ہے۔ دکھ ہمارے لئے صبر آزما ضرور ہوتے ہیں مگر جیسے مضر ہیں ویسے ہی مفید بھی ہیں۔ ان کی برداشت سے ہمارا اخلاق اور چال چلن بنتا ہے۔ اور ان سے گریز کرنے سے ہماری اخلاقی کمزوری پیدا ہوتی ہے۔ ہم مسیحیوں کے نزدیک مسیح کی شان اس کے دکھوں کے باعث ہی ہے۔ اگر اُسکی صلیب کو نکال دیا جائے تو مسیحیت بے جان ہو جائیگی۔ اس میں سے مقناطیس نکل جائیگا اور روحانی کشش چلی جائیگی۔

اس میں شک نہیں کہ ہمارے ۔۔۔ روحانی مدارج اور باطنی کیفیات پر بہت کچھ موقوف ہے۔ ایک ہی ہسپتال میں دو مریض ایک ہی بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ایک ہنستا ہے۔ خوش ہوتا ہے۔ ارادہ کرتا ہے کہ میں اس تکلیف پر غالب آؤنگا اور وہ فی الحقیقت بچ نکلتا ہے۔ دوسرا اپنے دکھوں سے مغلوب ہو جاتا ہے۔ ہر وقت کف افسوس ملتا ہے اور آخرکار مر جاتا ہے تو گویا دکھ اُس کے اخلاق کے مضبوط کرنے کا باعث بن سکتے ہیں۔ بعض اوقات ہمارے دکھ ہمیں دوسروں کی خدمت پر آمادہ کرتے ہیں۔ انگلستان میں ایک خاندان کا ذکر ہے۔ جنکا ایک بیٹا تھا اور وہ جنگ عظیم میں مارا گیا۔ باپ اور ماں پر بیٹے کی موت کا بہت اثر ہوا۔ اُن کے جگر میں کانٹا لگ گیا۔ مگر بجائے رونے اور چلانے کے انہوں نے فیصلہ کیا کہ ہم ہر مناسب کوشش کرینگے تاکہ جنگ دنیا سے دور ہو جائیں ہمارا تمدن اس بات کا مقتضی ہے کہ ہر ایک دوسرے کی مدد کریں۔ خوشی اور غمی میں بہرہ ور ہوں۔ دوسروں کی خاطر تکالیف اٹھائیں ہم اپنی زندگی میں ہر روز اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ موسےٰ نے اپنی قوم کی خاطر تکلیفیں اٹھائیں۔ گاندھی جی اور دیگر محبان قوم آج ہندوستان میں یہی کر رہے ہیں۔ خداوند مسیح نے بھی اس جہان میں آکر ہماری تکلیفیں اپنے اوپر اٹھا لیں۔ ہماری شامت اُس پر پڑی اور وہ ہماری خاطر گھائل ہوا اور یہ وہ درد ہے جسکو وہ چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔

من لذت دردِ تو بدرماں نفروشم
دشوار بدست آمدہ ارزاں نفروشم

دوسروں کی خاطر دکھ اٹھانا نہ صرف ہماری معاشرت کا تقاضا ہے۔ بلکہ خداوند کی مرضی اور ارادہ کے موافق ہے۔ چنانچہ پولس رسول کہتا ہے کہ ایک دوسرے کا بوجھ اٹھاؤ۔ اور اسی طرح مسیح کی شریعت کو پورا کرو۔ پھر خداوند مسیح نے کہا ہے گیہوں کا دانہ جب تک مر نہیں جاتا بہت سے



دانوں کی صحبت حاصل نہیں کر سکتا۔ پھر کہا کہ کوئی آدمی اس سے زیادہ محبت نہیں رکھتا کہ وہ اپنے دوست کے لئے جان دیوے۔ ہم مسیحیوں کے اعتقاد کے بموجب ہمارے اور مسیح کے دکھ مشترکہ ہیں اور مسیح اور خدا ایک ہیں۔ اس لئے ہمارے اور خدا کے دکھ ایک ہی ہیں یعنی خدا ہماری تکلیفوں میں شریک ہے۔ چنانچہ متی رسول کے ۲۵ باب میں جہاں روزِ عدالت کا ذکر ہے وہاں خداوند مسیح کہتا ہے کہ اگر تم نے اپنے بھائیوں کی تکلیف کو دور کیا تو تم نے میرے دکھوں کو دور کیا۔

جب میں نے اس قدر عرض کیا ہے تو اب آپ مجھ سے پوچھینگے کہ مسیح نے خاص صلیبی موت ہی کیوں انتخاب کی۔

یہ موت جسکو بنی اسرائیل لعنتی سمجھتے تھے جو رومی حکومت کی طرف سے سب سے بھاری سزا تھی۔ یہ دکھ جس میں جسمانی تکلیف کے علاوہ دماغی اور روحانی درد بدرجہ اتم موجود تھا۔ یہ مسیح نے اس لئے اختیار کی کہ گناہ جس سے وہ آدمیوں کو واپس لانا چاہتا تھا ایک نہایت ہی کراہیت والی چیز ہے اور اس سے کم تکلیف سے لوگوں کے دل بدل نہیں سکتے تھے۔ وہ انسان سے اس قدر محبت رکھتا تھا وہ انسان کی گمراہی اور انحطاط سے اس قدر واقف تھا۔ اُس کے روزمرہ کے تجربات نے یہ سبق سکھایا تھا کہ جب تک ایک عظیم قربانی نہ ہوگی لوگ اپنے دلوں کو خدا کے سپرد نہ کرینگے۔ وہ خدا باپ سے پیار کرتا تھا اور اس پر اعتماد کرتا تھا۔ وہ خدا کی مرضی کو پورا کرنا چاہتا تھا۔ خدا کے انتظام پر اُسے پورا اعتقاد تھا نیز وہ گہرا اور قریبی تعلق جو خدا اور مسیح میں موجود ہے۔ سوائے صلیب کے دکھ کے ظاہر نہیں ہو سکتا۔ مسیح کی صلیب فی الحقیقت اور اس ہمدرد اور مہربان باپ کی تصویر ہے۔ جسکو ہمارے گناہوں سے نفرت ہے مگر ہم سے پیار ہے وہ اس کڑھتے ہوئے باپ کی محبت کا نقشہ ہے۔ جس کا بیٹا گناہ کے گہرے گڑھے میں پھنسا ہو اور باپ سے علیحدہ کر تو جو نہ ہوتا ہو۔

میں آپکے سامنے سی۔ ایف اینڈ روز کا تجربہ بیان کرنا چاہتا ہوں۔ اینڈروز ذکر کرتا ہے کہ ۱۹۱۲ء میں جنوبی افریقہ میں ہندوستانیوں پر ظلم اور ستم ہو رہے تھے۔ اور نہایت نازک موقع تھا۔ تو میں گاندھی جی کے ساتھ ایک بستی میں گیا جہاں ایک تلگو عورت اور اس کا بچہ نہایت تنگ حال اور نحیف ہو رہے تھے۔ وہ بے حد مدد کے محتاج تھے اور مجھے خیال گذرا کہ خداوند مسیح نے ایسوں ہی کی نسبت کہا ہے کہ اگر تم ان چھوٹوں میں سے کسی ایک کے ساتھ نیکی کرتے ہو تو میرے ساتھ کرتے ہو۔ وہ تصویر اس قدر میرے ذہن میں نقش ہو گئی ہے کہ مجھے اکثر خداوند مسیح ان ہی لوگوں کی شکل میں ضرورت کا محتاج۔ مدد کا طالب دکھائی دیتا ہے اور وہ ان غریبوں کے دکھوں میں شامل ہے۔ جو ان لوگوں کی خاطر صلیب نہیں اُٹھاتے وہ حقیقتاً مسیح کی صلیب کو نہیں سمجھتے۔

مسیح نے اس لئے بھی صلیب کی راہ اختیار کی کیونکہ اسکا نتیجہ عظیم ہونے والا تھا۔ خدا کی بادشاہت آنیوالی تھی یہ لازمی نتیجہ تھا۔ وہ کہتا ہے کہ پورب اور پچھم سے لوگ بادشاہت کی ضیافت میں شامل ہونگے۔ دنیا کی حدود تک میری منادی ہوگی وغیرہ۔ وہ اپنے پیچھے بلاتا ہے اور کہتا ہے کہ میری صلیب کو اُٹھاؤ۔ ہندوستان کو صلیب کی حقیقت سے واقف ہونا ہے۔ دوسروں کی خاطر دکھ اُٹھانے کا تجربہ بہم پہنچانا ہے۔ تمام دنیا کو خدا کی بادشاہت کے وارث سمجھنے کا وسیع نکتۂ نگاہ حاصل کرنا ہے۔ اپنے اخلاقی اور روحانی قوا کو جو مردہ ہو چکے ہیں از سرِ نو زندہ کرنا ہے۔ اپنے اندر محبت کا جذبہ پیدا کرنا ہے تاکہ دوسروں کی خدمت ہو سکے تاکہ دوسروں کی خاطر تکلیف اُٹھائی جا سکے۔ یہی صلیب کی حقیقت ہے۔ یہ وہ پیار ہے جو صرف ایثار اور قربانی ہی میں ظاہر ہوتا ہے۔ مصرعہ

ہے ریت عاشقوں کی تن من نثار کرنا
رونا ستم اُٹھانا اور انکو پیار کرنا

جلال الدین

اقبال

آریہ سماج کا سالانہ جلسہ

ہم ذیل میں جناب ڈاکٹر ڈی۔ این۔ پی دتا صاحب کے تحریر کردہ مضمون کا دیباچہ یا ابتدائی حصہ نذر ناظرین کرتے ہیں اور آئندہ اشاعت میں آپکا وہ مضمون درج اخبار کرینگے جو آپ نے ڈیرہ دون کے آریہ سماجی جلسہ میں پڑھکر سنایا تھا۔ ایڈیٹر

۹ ماہ حال کو ڈیرہ دون کی آریہ سماج کے سالانہ جلسہ میں مختلف مذاہب کے لکچر دیئے گئے۔ صرف شرط اتنی تھی کہ کوئی کسی دوسرے کے مذہب پر حملہ نہ کرے صرف اپنے مذہب کی تعریف میں جو خوبیاں ہیں بیان کرے۔ صدر نشین پادری اہرنز صاحب (اے۔ پی۔ مشن۔ ڈیرہ دون) چنے گئے۔ اور ڈاکٹر ڈی۔ این پی دتا پنشنر سول سرجن کو عیسائی مذہب پر اپنا مسودہ پڑھنے کی عزت بخشی گئی جو کہ ذیل میں درج ہے کم از کم ۲۰۰۰ (دو ہزار) مرد و عورت جمع تھے۔ اور تل رکھنے کو جگہ بھی نہ ملی نویسندہ کے دل میں اس وقت شکر اور دعا کی روح بھری ہوئی تھی۔ شکر کہ خدا کی بادشاہت کے لئے اتنے لوگ جمع ہیں۔ اور کیسی خاموشی اور کیسے شوق کے ساتھ سنتے ہیں اور دل میں دعا یہ کہ خداوند کریم اپنی پاک روح کی بخشش سب کو عنایت کرے آہ کتنا فرق ۱۸۷۶ء اور اس سال رواں میں!! تب یہ خاکسار امرتسر کے مشن سکول میں طالب علم تھا اور اُس کے ہم جماعتی اسکو پنڈت دیانند سرسوتی جی کا لکچر سننے لے گئے تھے اور آج اس کے پیرو خوشی سے عیسائی دین کا بھی لکچر سن رہے ہیں۔ تب خصوصاً لڑائی جھگڑے کی روح تھی۔ اب بردباری اور ایک دوسرے کے ساتھ برداشت کی روح ہے۔ مبارک ہے یہ تبدیلی۔ کیونکہ ہماری پیاری قومی یگانگت کی یہ پہلی پوڑی (قدمچہ سیڑھی) ہے) اور پہلی بڑی برکت ہے۔ (بادشاہ سلامت ہو)

بشارتی مہم لاہور

یہ خبر مسرت اثر ناظرین کرام کی خوشی کو فزود افزود کریگی کہ سالہا سال کے التوا کے بعد لاہور میں بشارتی مہم کا کام پھر شروع ہؤا اور دہلی اور لاہوری دروازوں کے چیلوں میں آٹھ روز تک انجیل کی بشارت نہایت زور شور سے دی گئی۔ ہر ایک کلیسیا کے پاسٹر صاحب کے ساتھ دیگر مسیحی صاحبان بشارت کے کام میں سرگرمی سے حصہ لیتے رہے۔ بائبل کے حصص فروخت کرنے میں بھی مسیحیوں نے ہر طرح سے کوشش فرمائی۔ بشارتی مہم کی اس کوشش سے ہزارہا ہزار نے خداوند یسوع مسیح سے نجات پانیکا پیغام سنا۔ وہ جنہوں نے آنسوؤں سے کلام بویا ہے وہ ضرور خوشی سے درو کرینگے۔

فورمن کرسچن کالج فونڈرس ڈے

تیسری مارچ ۱۹۲۷ء کا روز بھی لاہور میں عید کی خوشی سے کچھ کم نہ تھا۔ یہ مسیحی کالج جسکی تعلیم وتربیت سے سرزمین پنجاب ایک عرصہ سے سرسبز وشاداب ہوتی رہی نہ صرف مسیحیوں اور مشنری صاحبان کے لئے ایک مقدس ہے بلکہ ہزارہا ہزار ہندو مسلمانوں کے لئے بھی خاص احترام کے لائق ہے۔ جو اس کالج سے تعلیم ختم کر کے تمام پنجاب میں سرکاری ذمہ واری کے عہدوں پر سرفراز ہیں۔ تیسری مارچ کا روز اسی کالج کے بانی کی یادگار کا روز تھا۔ کالج کی طرف سے جو صاحبان مدعو تھے اُن کی معقول تعداد تھی۔ جن میں مسیحی ہندو مسلم اور یورپین صاحبان شامل تھے۔ ساڑھے چار بجے شام چاء پانی اور کیک مٹھائی سے حاضرین کی تواضع کی گئی۔ بعدہ کالج ہال میں حاضرین جمع ہوئے۔ ڈاکٹر ای ڈی لوکس صاحب پرنسپل کالج نے اور پروفیسر پادری ولسن صاحب نے کالج کے بانی کے اور کالج کے ابتدائی پر

نہایت دلچسپ حالات حاضرین کے گوش گذار کئے بعد اس کے

Mrs Pantham

Mrs Weir, Messrs Pantham

+ Spears & Strickler

باجوں کی تیریں راگنیوں سے حاضرین کو مسرور کیا بعدہ میسرز این۔ کے گنگولی۔ ایرک ہمفری۔ ای سنت سنگھ۔ ڈبلیو۔ جے لورنس۔ ایچ۔ بی لیوک ڈی۔ آئی خزان سنگھ اور ای ناصر نے اپنے اپنے کام وکلام سے حاضرین کو شاد فرمایا۔ خاصکر ناول کا جو پارٹ میسرز ڈبلیو۔ جے لورنس اور این کے گنگولی اور ڈی۔ آئی خزان سنگھ نے لیا تھا وہ واقعی نہایت شاندار اور سنجیدہ اور عبرت انگیز تھا۔

چین کی خانہ جنگی

عالمگیر جنگ کے اختتام کے بعد مراکو۔ ٹرکی ہر جگہ میں آتش جنگ رونما ہو کر بجھ گئی۔ مگر چین کی خانہ جنگی کی آگ طرح طرح رہ رہ کر جل اٹھتی ہے شمالی اور جنوبی چینیوں میں ایک عرصہ سے لگی ہوئی ہے غیر چینی آبادکاروں کے مال وجان کا نقصان بھی کیا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگلینڈ۔ فرانس۔ اٹلی۔ امریکہ۔ جاپان کی افواج چینیوں کے جوش وخروش کی نگرانی کے لئے چین پہنچ گئی ہیں چین کی خانہ جنگی کی نگرانی کر رہی ہیں۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس خانہ جنگی کا کیا انجام ہوگا

عبدالرشید کا مقدمہ

عبدالرشید کے مقدمہ میں صفائی کی طرف سے شہادت ختم ہو چکی۔ ڈاکٹری شہادت میں عبدالرشید پاگل نہیں قرار دیا گیا۔ استغاثہ اور صفائی کے وکلا کی بحث بھی ختم ہو چکی۔ دو اسیسروں نے ملزم کو صحیح الدماغ اور مجرم قرار دیا۔ ایک اسیسر نے رائے دی کہ ملزم قصوروار ہے۔ لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ واقعہ کے روز صحیح الدماغ تھا یا نہیں۔ چوتھے اسیسر نے ملزم کو بے قصور قرار دیا۔ آخری فیصلہ ۱۴ مارچ کے روز سنایا جائیگا۔

ریویو

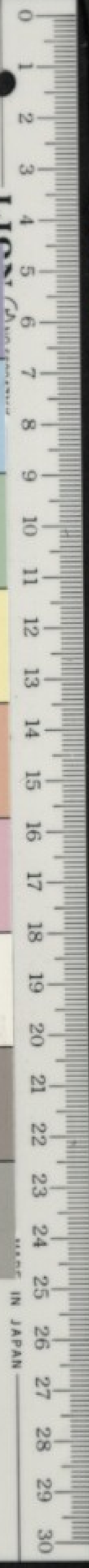
آلو۔ یہ نئی کتاب ابھی زیور طبع سے آراستہ ہوئی ہے جسے پروفیسر جی۔ ایم ملک صاحب ایم۔ ایس سی (ایگریکلچر امریکہ) نے تالیف فرمائی ہے۔ کاغذ لکھائی چھپائی کے اعلےٰ ہونے کے ساتھ کتاب باتصویر ہے ضخامت صفحہ ۱۳۰ اکی ہے۔ قیمت صرف ایک روپیہ رکھی گئی ہے۔

کتاب کے مضامین اور طرز تحریر کی بابت اسقدر سمجھنا کافی ہے کہ آلو کی کاشت وپرورش وحفاظت وغیرہ پر یہ ایک جامع ومانع کتاب ہے اور اس کے مطالب ایسی آسان اُردو میں بیان کئے گئے ہیں کہ تیسری جماعتوں کے بچے بھی اسے بخوبی سمجھ سکیں ملک صاحب نے یہ کتاب تالیف فرما کر زمینداروں پر کمال احسان کیا ہے۔

ضرورت کے اعتبار سے یہ لاثانی تالیف زمینداروں کے لئے "آلو" کی کاشت میں نسخہ اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ ہر ایک زمیندار کے لئے رہبر کامل ہے۔ ہم ہر ایک زمیندار سے بزور سفارش کرتے ہیں کہ وہ ایک روپیہ خرچ کر کے اس کتاب کو منگائے اور اسکی ہدایت کے موافق آلو کی کاشت کر کے ہزاروں روپیہ کمائے۔ پتہ ذیل سے کتاب طلب فرمائیں

پروفیسر جی۔ ایم۔ ملک صاحب۔ ایم۔ ایس۔ سی (ایگریکلچر) دی امریکن سیڈ اینڈ نرسری کمپنی ۲۵ میکلوڈ روڈ۔ لاہور

پیرس ۵ مارچ۔ تجارتی کوٹھیوں اور جہازی کمپنیوں کو خبریں آئی ہیں کہ بندرگاہ ٹاماٹادی میں جس قدر جہاز تھے ان میں سے اکثر غرق ہوگئے۔ (ہندے ماترم)



میزانیہ بابت سال ۲۸-۱۹۲۷ء کا ملخص

(از محکمہ اطلاعات پنجاب)

توقع ہے کہ ۲۸-۱۹۲۷ء کے اختتام پر جملہ حسابات کا بقایا "تینتالیس" (۴۳) لاکھ روپیہ ہوگا۔ معمولی مصارف مالیہ بقدر ۱۱۰۳ لاکھ کے اور مصارف سرمایہ بقدر ۲۵۲ لاکھ سال رواں میں پورے کئے جائینگے۔ سال کے خاتمہ پر معمولی آمدنی اور سرمایہ بیمہ کے حساب میں بالترتیب ۲۱ اور ۱ء۱م لاکھ کا مثبت بقایا رہیگا۔ سرمایہ بیمہ کے بقایا میں ۵ لاکھ کی وہ رقم بھی شامل ہے جو آمدنی میں سے وضع کر کے آمدنی کے محفوظ سرمایہ میں داخل کر لی گئی ہے تا آمدنی کا محفوظ سرمایہ یکم اپریل ۱۹۲۷ء کو ۲۵ لاکھ ہوگا۔ معمولی آمدنی کے حساب میں ۱۱۱۳ لاکھ محاصل کا تخمینہ لگایا گیا ہے۔ جو ۲۷-۱۹۲۶ء کے ابتدائی تخمینہ جات سے بقدر ۳۶ لاکھ کم ہے۔ اس کمی کی وجہ یہ ہے کہ گذشتہ جون کے اعلان کے مطابق ۱۰ لاکھ روپیہ ٹیکسوں سے معاف کر دیا گیا۔

آبپاشی کے مصارف کارگذاری میں ۱۴½ لاکھ کا اضافہ ہوا اور آبکاری کے ماتحت میں ۴½ لاکھ کا اندراج منہا کر دیا گیا۔ کپاس کا نرخ گر جانے سے رقبہ زیر کاشت کپاس میں جو کمی واقع ہوگی اسے بھی ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔

معمولی خرچ کا اندازہ ۱۱۰۳ لاکھ لگایا گیا ہے جو سال رواں کے ترمیم شدہ عطیہ سے بقدر دس کے زائد ہے۔ اس خرچ میں بڑا اضافہ مندرجہ ذیل مدات میں ہوا ہے

انتظام محکمہ سول کے ماتحت	۵½	لاکھ
محکمہ جات مفید عام متعلقہ	۲	"
محکمہ تعمیرات سرکاری	۱۲	"

اس اضافہ کا معتدبہ حصہ جیل خانوں کے انتظام زراعت تعلیم صنعت و حرفت ہسپتالوں کو موجودہ حیثیت دینے یعنی ان کا خرچ صوبہ کی آمدنی سے پورا کرنے اور ذرائع آمد و رفت پر خرچ ہوگا عام طور پر قومی استعمار کی بتدریج ترقی کے لئے جو مساعی کی جا رہی ہیں ان کے متعلقہ مصارف کو بھی ملحوظ رکھ دیا گیا ہے۔

مصارف سرمایہ کے ماتحت ۲۵۲ لاکھ کے خرچ کا تخمینہ لگایا گیا ہے۔ جو ہائیڈرو الیکٹرک سکیم ستلج ویلی پراجیکٹ اور نیل بار میں ذرائع آمد و رفت پر صرف کیا جائیگا۔ امید ہے کہ سال کے پروگرام کا خرچ زیادہ تر سرکاری اراضیات کی گذشتہ و آئندہ فروخت کی آمدنی سے پورا کیا جائیگا۔

اگرچہ معمولی حساب آمدنی میں سال کے خاتمہ پر بقایا رہ جائیگا۔ لیکن حال میں خرچ کی رفتار آمدنی کے اضافہ سے بڑھ گئی ہے۔ بجٹ پیش کرتے ہوئے فنانس ممبر نے یہ ظاہر کر دیا تھا کہ گو آبپاشی کی تجاویز سے مستقل آمدنی میں دو سال کے اندر اضافہ ہو جائیگا۔ لیکن اس اثنا میں مصلحت کا بھی تقاضا ہے کہ خرچ کو ان حدود کے اندر رکھا جائے جن کا تعین آمدنی کے ذرائع توسیع سے ہوتا ہے کوئی ٹیکس معاف کرنیکی تجویز نہیں ہے۔ صوبہ کی آمدنی میں مستقل اضافہ کرنے کی غرض سے جو تجاویز درپیش ہیں ان کا خرچ پورا کرنے کے لئے ممکن ہے۔ کہ ۲۸-۱۹۲۷ء کے آخر میں گورنمنٹ آف انڈیا سے تقریباً ۳۰ لاکھ کی قلیل رقم بطور قرض لیجائے۔

خبریں

کیپ ٹاؤن ۵ مارچ۔ ماریشس کے پورٹ لوئیس سے خبر آئی ہے کہ میڈغاسکر کے مقام ٹاماٹوی میں ایک زبردست آندھی کے طوفان سے ۵۰ آدمی ہلاک ہوئے ہیں۔ یہ طوفان جزیرہ کے مشرقی رقبہ میں آیا جس سے شہر ٹاماٹوی تباہ ہو گیا۔ دو سٹیمر ٹکرا کر خشکی پر چڑھ گئے۔

(رنیٹر۔ ماڈرن)

لیبر یونین غیر معمولی سرگرمیوں کے ساتھ قوم پرست چینیوں کو شنگھائی پر قبضہ دلانے کی کوشش کر رہی ہے۔ ان کی نئی اولوالعزمی یہ ہے کہ ہوائی جہاز دن کو اشتہارات پھینک رہے ہیں۔ جن میں چینیوں کو یہ یقین دلایا جاتا ہے کہ قوم پرستوں کی فوجیں شنگھائی کے قریب پہنچ گئی ہیں۔

(")

جالندھر ۳ مارچ معلوم ہوا ہے کہ چند ڈاکو (جن میں سے تین بندوقوں سے مسلح تھے اور باقی لاٹھیوں سے) نے موضع ہوکی تھانہ شاہکوٹ میں ایک ہندو مسمی لال سنگھ کی دوکان اور مکان میں ڈاکہ ڈالا اور وہاں سے تمام مال اور نقدی لے گئے۔ ایک عورت کو جس نے شور و غل کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے پکڑ لیا اور اس کے سر میں مٹی کا تیل ڈالکر آگ لگا دی۔ عورت آگ سے بچنے کے لئے بھاگی تو کچھ کپاس میں جو پاس پڑی ہوئی تھی آگ لگ گئی۔

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ لعل سنگھ کے گھر کے علاوہ اور بھی کئی ملحقہ مکانات ڈاکوؤں نے لوٹے ہیں۔

(")

کلکتہ ۹ مارچ مس ڈارٹول نامی ایک میم نے ایک مقدمہ میں شہادت دیتے ہوئے مدعی کو کالا آدمی کہہ دیا۔ مدعی کا نام محمد شفیق ہے۔ اس نے مس پر ہتک عزت کا دعویٰ دائر کر دیا۔ میم سو روپیہ مچلکہ پر رہا ہے۔ (")

طلباء کے لئے فوجی تعلیم

دہلی ، مارچ ۔ آج کونسل آف سٹیٹ کے اجلاس میں مسٹر راماداس پنتلو کے اس رزولیوشن پر بحث کی گئی کہ یونیورسٹیوں میں کالجوں کے طلباء کو فوجی تعلیم لازمی طور پر دی جانی چاہئے ۔ مسٹر چاری نے اس میں یہ ترمیم پیش کی کہ موجودہ مراعات میں اضافہ کیا جائے جو منظور کر لی گئی ۔ (رنید سے ۔ آزرم)

نور افشاں کو قلمی امداد سے فراموش نہ کریں ۔

ایک بیرونی نشان تھا اُن فریقین کے لئے جو آپس میں ایک عہد میں شامل ہو گئے تھے۔ اور اگرچہ راحب کے آس پڑوس کے لوگ اس ڈوری کے مطلب کو سمجھتے نہیں تھے پر خود راحب کے لئے حفاظت اور ہلاکت سے بچنے کا نشان تھا۔ ہم مسیحی بھی بپتسمہ اور دیگر ظاہری کلیسیائی رسومات میں شامل ہوتے ہیں۔ جو درحقیقت ایک عہد کے ظاہری نشان ہیں۔ جو مسیح اور اس کے لوگوں کے درمیان ہے۔ یہ قرمزی ڈوری بذاتِ خود حفاظت کا باعث نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ ایمان جو اُسکی تہ میں تھا اور وہ وفاداری اور فرمانبرداری جو اس معاہدہ میں فریقین پر لازم تھی وہی فی الحقیقت حفاظت کا باعث ہوئی۔ اسی طرح محض کلیسیائی رسومات کسی کی نجات کا باعث نہیں ہو سکتیں۔ پر وہ ایمان جو اسکی تہ میں ہے اور اس عہد و معاہدہ کی وفاداری اور فرمانبرداری ہی ہم کو نجات دے سکتی ہیں۔ ہمارے لئے یہ لازم ہے کہ ان ظاہری نشانوں کو مانتے ہوئے اُن کے اصل اور اندرونی معانی سے ہرگز غافل نہ ہوں۔ ہماری روحانی زندگی کو محفوظ رکھنے کے لئے اصل میں ان کے حقیقی معانی کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

دوئم۔ اس ڈوری کا قرمزی رنگ خصوصیت رکھتا تھا یہی قرمزی ڈوری اس گھر پر ایک نشان تھی۔ جس طرح مصر میں اُن کے دروازوں پر قربان شدہ برّے کے خون کا نشان تھا۔ ان ہر دو موقعوں پر یہ نشان گھر والوں کو ہلاکت سے بچانے کے لئے تھا۔ ہمارے لئے بھی قرمزی ڈوری کا انتظام ہے مسیح کا بہایا ہُوا خون ہمیں گناہ اور شیطان سے محفوظ رکھتا ہے۔ بشرطیکہ اُسکی حفاظت پر بھروسہ رکھیں۔ عبرانیوں ۱۰: ۱۹ آیت میں یوں لکھا ہے۔ پس اے بھائیو چونکہ ہمیں یسوع کے خون کے سبب سے اس نئی اور زندہ راہ سے پاک مکان میں داخل ہونے کی دلیری ہے۔ جو اس کے پردے یعنی اپنے جسم میں سے ہو کر ہمارے واسطے مخصوص کی ہے اور چونکہ ہمارا ایسا بڑا کاہن ہے جو خدا کے گھر کا مختار ہے۔ تو آؤ ہم سچے دل اور پورے ایمان کے ساتھ دل کے الزام کو دور کرنے کے لئے دلوں پر چھینٹے لیکر اور بدن کو صاف پانی سے دھلوا کر خدا کے پاس چلیں اور اپنی امید کے اقرار کو مضبوطی سے تھامے رہیں۔ کیونکہ جس نے وعدہ کیا ہے وہ سچا ہے"۔

سوئم۔ اس قرمزی سوت کی ڈوری کے باعث وہ سب جو اس کی چار دیواری کے اندر تھے ہلاکت سے بچ گئے۔ اگرچہ اس گھر کے آس پڑوس کو اور شہر کے لوگوں کو اس ڈوری کا مطلب معلوم نہیں تھا اور نہ ہی معمولی امن کی حالت میں اس کا ظاہراً کچھ فائدہ معلوم ہوتا تھا۔ پر جب دشمن کے ساتھ جنگ شروع ہوئی اور اس شہر کی مضبوط دیواریں بنی اسرائیل کے نرسنگوں کی آواز کے سامنے بیٹھ گئیں اور شہر میں قتل و ہلاکت کا کام شروع ہُوا اور کھنڈرات اور نہایت ہی تباہی اور موت کے درمیان وہ گھرانہ ایک محفوظ اور بچا ہُوا گھرانہ تھا۔ اس سے پیشتر وہ گھرانہ اسرائیل کی قوم سے باہر اور قابلِ ہلاکت گھرانہ تھا مگر لال ڈوری کے سبب سے اور اس ایمان کے باعث جسکا ظاہری نشان لال ڈوری تھا۔ جتنے بھی اس چار دیواری کے اندر تھے بچ گئے۔ چنانچہ اس تباہی کے بعد جو اس حرم شدہ شہر کی ہوئی یہ گھرانہ ایک نجات یافتہ گھرانہ تھا اور بنی اسرائیل میں شامل ہونے کے لائق تھا۔

اس میں ہم کلیسیائی حفاظت کی ایک بڑی اچھی مثال پاتے ہیں۔ چاہئے کہ مسیحی گھرانے کلیسیائی چار دیواری کے اندر ہیں۔ جہاں سب روحانی طور سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ اور اُن سارے حقوق کا فائدہ اُٹھا سکتے ہیں جو کلیسیا سے مل سکتے ہیں۔ بلکہ مسیح نے کلیسیا کو خاص اپنے خون سے خرید کے اُسے ذمہ داروں کے ہاتھوں میں سونپ دیا ہے جو اسکی حفاظت کرتے ہیں۔ اور اگرچہ بعض مسیحی اس وقت کلیسیا میں شامل ہونے اور رہنے کی ضرورت کو محسوس نہیں کرتے ہیں۔ پر مناسب یہی ہے کہ اس روحانی جنگ کی حالت میں ہم اور ہمارے بچے اور عزیز کلیسیا باڑے کے اندر مسیح کے بہائے ہوئے خون کے اثر کے نیچے محفوظ رہیں اور جب قیامت کا ہولناک دن آئیگا اس عالمگیر تباہی اور نہایت تنگی کے موقع میں ہم مع ہمارے خاندان نجات یافتہ خاندان ثابت ہونگا اور تب وہ اس گروہ میں شامل ہوگا جس کی بابت یہ کہا جائیگا "اے میرے باپ کے مبارک لوگو"۔

پیارے پڑھنے والو پیشتر اس سے کہ میں اس مضمون کو بند کروں میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا آپ قرمزی سوت کی ڈوری میں یقین کرتے ہیں۔ کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ مع آپ کا خاندان اس قرمزی سوت کی ڈوری کے نیچے محفوظ ہے!

ڈی ہرچند

مسٹر پال کمباٹم کی دی سٹوری آف مائی کنورشن

کا اردو ترجمہ

میرے مسیحی ہونیکی سرگذشت

گذشتہ سے پیوستہ

(۵) مسیحیت اور مہرِ مادری

یہ درحقیقت ایک مشکل حل طلب سوال ہے۔ کچھ عرصہ تک وہ سخت دشمن ہوتے ہیں۔ اُن میں اپنی ماں سے کیسی محبت رکھتا تھا اور اُس کے اشکوں کا نمودار ہونا میں برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ میں بپتسمہ پانے کے لئے مدراس جانا چاہتا تھا۔ لیکن یہیں بڑی رکاوٹ کا باعث میری ماں اور مجھ میں باہمی محبت تھی۔ میں اُسے چھوڑنے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔ یہ میری زندگی میں پلٹے کا موقع تھا جسے کوئی بھی جس نے اُسے محسوس نہ کیا ہو نظر خاطر میں نہیں لا سکتا ہے آخر میں نے ایک لفظ زبان سے نکالا تو وہ ننھے بچے کی طرح رونے چلائی۔ آہ کتنے درد طلب الفاظ وہ اپنی زبان پر لائی تھی۔ جن سے میں بہت آزردہ خاطر اور غمگین ہوتا تھا۔ اُس نے مجھے مسیحی ہونے سے باز رکھنے کے لئے حتی المقدور سعی لاحاصل و بےسود کی میری ماں کی محبت اور میری چار بہنوں کی محبت مجھے اُن کے مذہب میں جکڑے رکھنے کے لئے مضبوط زنجیریں تھیں۔ سونے کے بغیر راتیں گذرانی پڑیں۔ دعا کے ساتھ آنسو بہانے پڑے۔ ہاں میں نے ہر آئینہ مسیح کی پیروی کرنا فیصلہ قرار دیا۔ لیکن کس طرح سے میں اس سیلابی چرخی سے پار اُتر سکتا تھا۔

ایک رات میں نے اپنے آپ سے مندرجۂ ذیل سوال کئے (۱) کیا تو مسیح کو چاہتا ہے یا نفس کو؟ بہشت کو یا دوزخ کو؟ میری ضمیر نے مجھ کو کہا میں بہشت اور زندگی کا تاج چاہتا ہوں۔ (ب) کیا تو مسیح پر ایمان رکھتا ہے؟ "ہاں" اس کا جواب تھا (ج) ان شے کے دو قطرے تیرے پاس ہیں ایک تیرے نجات دہندے کے خون کا نشان ہے اور دوسرا تیری ماں کے آنسو کو ظاہر کرنے والا ہے تجھے ان دونوں میں سے کسی ایک کو چننا ہے وہ دونوں ایک ہی وقت پر نہیں لئے جا سکتے۔ اگر تو اپنی ماں کے آنسو چاہتا ہے تو مسیح کے خون کو بالکل فراموش کر جا اور ایک ہندو بن اگر تو اپنے منجی کا خون چاہتا ہے تو اپنے آپ کو بھول جا اور خود انکاری کر اور اپنی ماں کی محبت کو فراموش کر دے صلیب کو پکڑ لے بپتسمہ لے اور مسیح کی پیروی کر۔ اگر تو اپنی ماں کو مسیح سے جس نے تیرے لئے اپنا خون بہایا زیادہ پیار کرتا ہے تو تو اس کے (مسیح کے) لائق نہیں تو مسیحی مذہب کو قبول کرنے سے اپنی ماں کو راضی اور خوش نہیں رکھ سکتا۔ اس کا انکار کرنے سے تو اپنی عزیزیاں کو راضی اور خوش کر سکتا ہے۔ کیونکہ یا تو تو ایک سے نفرت رکھیگا اور دوسرے سے محبت اور یا تو ایک سے ملا رہیگا اور دوسرے کو حقارت کی نظر سے دیکھیگا۔ تو آدمی دونوں کی خدمت اور خوشی بجا نہیں لا سکتا

(۲) میرا بپتسمہ

اس قسم کے سوال کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ مجھے بپتسمہ پانے کے لئے مدراس جانا چاہئے ایک رات جبکہ چاند اوپر چمک رہا تھا۔ میں اپنے بستر پر سے اٹھا اور ریلوے سٹیشن کی طرف بھاگ نکلا اور دوسری صبح مدراس پہنچ گیا۔ اپنے گھر کو چھوڑنے سے پیشتر میں نے دو مقاموں پر اپنے گھٹنوں پر جھکا (یا گھٹنے ٹیکے) اول اپنے بستر پر جہاں میں نے اپنے بپتسمہ لینے اور اپنے مستقبل کے واسطے دعا کی۔ پھر دوسری بار اپنے گھر کے دروازے کے قریب میں نے اپنی ماں کے لئے جو سو رہی تھی دعا کی اور اسے اور اپنی تمام بہنوں اور اپنے گھر کو خدا کے سپرد کیا۔ کوئی بھی میرے گھر سے چلے جانے کی بابت نہیں جانتا تھا ؎

میں ساتھ اپنے کچھ بھی ہاتھوں میں نہیں لاتا
تیری صلیب سے ہوں میں محض چمٹا رہتا

مدراس میں مسٹر اور مسز اے۔ ایس ہنسین نے میرا پُرتپاک خیر مقدم کیا اور میرے ساتھ ہمدردانہ اور مشفقانہ سلوک کیا جس سے میری بہت حد تک ہمت افزائی ہوئی زیادہ انتظار نہ کرنے کی خواہش سے میں نے ۵ اپریل سنہ ۱۹۰[illegible] کو علانیہ طور پر یسوع مسیح کو اپنا نجات دہندہ اور مالک مان کر بپتسمہ لینا قبول کیا۔ ریورنڈ ڈبلیو۔ ڈی کلارک بی۔ اے نے ٹرائن چرچ (سی۔ ایم۔ ایس) میں سینکڑوں لوگوں کی موجودگی میں بپتسمہ کی رسم ادا کی اور پھر اس کے بعد ایک بڑی اقراری جماعت ہوئی۔ خدا نے گذشتہ سولہ سال میں کیسے عجیب طریق سے میری رہبری کی ہے۔ میں اپنے تمام قصوروں اور کمیوں کے باوجود اسی پر بھروسہ رکھتا تھا اور وہ اب تک ایسا رحیم اور اچھا ثابت ہوا ہے۔ مجھے آزمائش میں گرنا پڑا لیکن اس کا فضل میرے شامل حال تھا اور مجھے برباد ہونے سے بچایا۔ جب میں نے اپنا مطالعہ ختم کر لیا تو مجھے نیشنل مشنری سوسائٹی آف انڈیا کی طرف سے بلاہٹ ملی جہاں میں نے ٹریولنگ (دورہ کن) سکرٹری کی حیثیت سے چار برس تک کام کیا۔ میرا فرض دل ان مختلف ذرائع کو ظاہر کرنے کو مجبور ہے جن سے خدا نے اس مشن کی خدمت کرنے میں مجھے برکت دی۔ میں یہ مانتا ہوں کہ میرا ہر ایک قدم خدا کے حکم سے تھا اور کہ ہر ایک چیز میرے فائدے کے لئے ہوتی ہے۔

اب گذشتہ سات سالوں سے میں ایمان پر ہا میں ہوں میں نہیں جانتا کہ کیوں اور کس لئے میں یہاں لایا گیا تھا۔ لیکن میں روز اور ہدایت کے لئے فضل کے تخت سے منتظر رہتا ہوں گذشتہ سولہ سالوں میں میں نے معلوم کر لیا ہے کہ یسوع مسیح آج اور کل بلکہ ابد تک یکساں ہے اسی کے نام کی ستائش ہو۔ میں پہلے سے زیادہ خوش ہوں کہ اس نے مجھے کافی طور سے برکت دیدی ہے اور میں اب آسودہ حال ہوں۔ میں کسی چیز کا بھوکا تھا جو میرا پرانا مذہب مجھے دے نہیں سکتا تھا۔ لیکن میں یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا شے جو میں چاہتا تھا اب میں جانتا ہوں کہ وہ مسیح کے سوا کوئی اور چیز نہیں تھی ؎

صلیب ہی پہ میں نے اک نور وہ دیکھا تھا
کہ جس سے میرے دل کا بار کافور ہو گیا تھا
وہاں ہی میں نے ایمان سے بینائی پائی تھی
اور اب ہوں میں ہمیشہ خوش ہر یوم ہر گھڑی

اب ناظر پوچھ سکتا ہے کہ اب تمہاری ماں کا کیا حال ہے؟ اپنے بپتسمے کے دو سال بعد میں گھر گیا اور اپنی ماں کے ساتھ خوشی خوشی وقت گذارا پھر میری ماں اور میری بہنوں نے میرے ساتھ میل ملاپ کر لیا اور میرے ساتھ اچھا نیک سلوک کیا تب ہی سے ہمارا باہمی پیار زیادہ ہو گیا اور پہلے سے گہرا ہو گیا۔ اس طرح میں مسیحی ہونے سے ان کی محبت سے محروم نہیں رہا ہوں بلکہ اس کے علاوہ دوسری طرف سے میں نے سوگنی دوستی اور الفت حاصل کر لی ہے۔

"تو اپنی مصلحت سے مجھے ہدایت کریگا اور آخر کار مجھے جلال میں شامل کریگا" (زبور ۷۳: ۲۴)

پال۔ ایس کدمباڈرم۔ ہیڈ کلرک۔
۱۹۲۳ء بشپس کورٹ۔ رنگون۔ برما

نہ بھولو یسوع کو ہر دم یاد رکھو تم
وہ اپنے جاں نثاروں کو حقیقی تاج بخشیگا
خاکسار۔ کرم الٰہی بنوں

پادری ڈبلیو جے کلارک صاحب ایم اے مینیجر نور افشاں ایمپریس روڈ لاہور کے لئے پنجابی پریس لاہور میں باہتمام لالہ دیوان چند صاحب پرنٹر چھپا۔